© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

کیا والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا واجب ہے؟

سوال : دسمبر ۱۹۶۶ء کے ترجمان میں ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ والدین بیٹے کو طلاق دینے کا حکم دیں، تو اس کی اطاعت صرف اسی صورت میں کی جائے۔ جب کہ یہ حکم کسی مصلحتِ شرعی پر مبنی ہو اور حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے کو طلاق کا جو حکم دیا تھا وہ بھی کسی معقول دینی مصلحت پر مبنی سمجھا گیا ہے۔ لیکن میرا اشکال اس معاملے میں رفع نہیں ہوا۔ اس بارے میں بعض دیگر احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین جب کہیں تو بیٹے کو بلا تامل طلاق دے دینی چاہیے۔ سب سے بڑھ کر حضرت ابراہیم کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں انہوں نے حضرت اسماعیل کو اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دینے کا پیغام دیا تھا اور انہوں نے فوری طور پر اس کی تعمیل میں پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری سے شادی کر لی تھی۔ ان سب احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کو اس معاملے میں والدین کی بے چون وچرا اطاعت کرنی چاہیے، ورنہ وہ گنہ گار ہوگا۔

جواب : ترجمان میں میرا جو جواب شائع ہوا ہے اُس میں کسی ترمیم کی ضرورت مجھے محسوس نہیں ہو سکی۔ طلاق جیسے شریعت نے ابغض المباحات (جائز کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ) قرار دیا ہے۔ اس کا شرعی اسباب کے بغیر دیا جانا عند اللہ موجبِ گناہ ہے۔ اس طرح کی طلاق کے ناگوار اثرات اگر محض خاوند تک محدود رہتے تو انہیں انگیز کیا جا سکتا تھا اور اس کے باوجود اس معاملہ میں خاوند پر والدین کی غیر مشروط اطاعت لازم سمجھی جا سکتی تھی۔ لیکن بلا عذرِ شرعی طلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینے کی صورت میں بیوی اور اولاد کی حق تلفی اور ضرر رسانی بھی ہے جسے شریعت بلاوجہ گوارا نہیں کرتی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (خالق کی نافرمانی میں مخلوق
کی اطاعت جائز نہیں) اور بلا سبب طلاق دینا اللہ کے نزدیک مبغوض ہے۔

حضرت عمرؓ کے حکم میں جو امکانی مصلحت و حکمت میں نے بیان کی تھی، اُسے بعض دوسرے علماء
نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مثال کے طور پر شیخ عبدالرحمن البنّاء مسند احمد کی شرح الفتح الربانی، کتاب الطلاق
میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الظاهر ان عمر ما کرهها الا لکونه رأی
انها غیر صالحة لابنه وغرضه بذالك المصلحة لاسیما وقد کان من الملهمین
والذی یظهران النبی صلی الله علیه وسلم لم یامر عبد الله بطلاق امرأته الا
لکونه رأی صحة نظر عمر (ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ عورت اسی وجہ سے ناپسند تھی کہ
ان کے نزدیک وہ آپ کے صاحبزادے کے لیے موزوں نہ تھی اور اس معاملے میں حضرت عمرؓ کے
پیشِ نظر ضرور کوئی مصلحت ہوگی کیونکہ آپ الہامِ ربانی کے حامل تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عمرؓ کے کہنے کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو اسی لیے طلاق
دینے کا حکم دیا تھا کہ آنحضورؐ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خیال صحیح ہوگا)۔

اس سے زیادہ واضح اور دوٹوک الفاظ میں ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ، کتاب
الایمان، باب الکبائر میں اپنی رائے بیان فرمائی ہے۔ مشکوٰۃ کی ایک حدیث اس باب میں یوں
مروی ہے: ولا تعقن والدیك وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك (تو اپنے
والدین کی حق تلفی اور ان سے بدسلوکی نہ کر خواہ وہ تمہیں اپنے اہل و عیال اور مال کو چھوڑ دینے
کا حکم دیں)۔ اس پر ملّا علی قاری فرماتے ہیں: فلا یلزمه طلاق زوجته امراه بفراقها
وان تاذیا ببقائها ایذاء شدیدا۔ لانه قد یحصل له ضرر بها فلا یکلفه لاجلهما اذ من
شان شفقتهما انهما لو تحققا ذالك لم یامراه به فالزامهما له به مع ذالك حمق
منهما ولا یلتفت الیه (والدین کو خواہ اپنی بہو کی موجودگی سے شدید تکلیف ہی کیوں نہ ہو اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بیٹے کو اس سے جدائی کا حکم دیں تو بیٹے پر بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے، کیونکہ بعض اوقات اس طرح خاوند کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس لیے والدین کی خاطر اُسے طلاق کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شفقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ اس ضرر کا پوری طرح اندازہ کر لیتے تو وہ بیٹے کو طلاق کا حکم نہ دیتے۔ اس کے باوجود ان کا طلاق پر اصرار کرنا نادانی ہے جو قابل التفات نہیں)

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے متعلق احادیث مذکورہ کو بھی انہی معنی پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت ابراہیم کا یہ فرمان بھی مصالح شرعیہ پر مبنی تھا جس طرح حضرت عمرؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے بلا وجہ ایک عورت کو طلاق دینے کا حکم دیا ہوگا اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے معاملے میں بھی ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات میں اپنے جی سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خود ان احادیث کے مضمون سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ بخاری کتاب الانبیاء میں یہ حدیث پوری تفصیل سے موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو بیابان عرب میں چھوڑ جانے کے بعد حضرت ابراہیم وقتاً فوقتاً ان کی خیریت دریافت کرنے تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت اسماعیل کی شادی کے بعد ایک مرتبہ آپ تشریف لائے جبکہ گھر میں صرف ان کی بیوی تھی جو اپنے خسر کو نہیں پہچانتی تھی۔ جب آپ نے اس سے حالات پوچھے تو وہ کہنے لگی: نحن بشرٍّ، نحن في ضيقٍ وشدةٍ فشكت إليه (ہمارا تو بُرا حال ہے، تنگ دستی اور مصیبت میں مبتلا ہیں، گویا اس نے شکوہ شکایت کی روش اختیار کی)۔ ظاہر ہے کہ ایک نبی کی بیوی اور نبی کی بہو کو ایسا بے صبر اور بے سلیقہ نہیں ہونا چاہیے تھا کہ کوئی سن رسیدہ اجنبی مہمان اس کے ہاں آتے اور وہ خاطر تواضع کرنے کے بجائے اپنا دکھڑا سنانا شروع کر دے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ لڑکی ہمارے گھرانے کے لائق نہیں ہے اور اس سے کہہ دیا کہ جب اسماعیل آئے تو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اپنی دہلیز بدل دے۔ جب حضرت اسماعیل واپس آئے تو بیوی نے بتایا کہ جاءنا شيخ كذا وكذا (اس ہیئت کذائی کے ایک بڑے میاں آئے تھے) اور پھر سارا قصہ بیان کیا۔ تعارف کے ان الفاظ میں بھی استخفاف کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلو موجود تھا۔ چنانچہ حضرت اسماعیل مدعا سمجھ گئے اور بیوی کو طلاق دے دی۔ حدیث سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل نے پھر دوسری شادی کی اور حضرت ابراہیم دوبارہ پھر اسی طرح تشریف لائے۔ اس موقع پر بھی حضرت اسماعیل گھر پر موجود نہ تھے۔ یہ دوسری بیوی شاکرہ و صابرہ اور نیک بخت تھیں۔ انہوں نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ اجنبی مہمان ان کے خسر ہیں ان کی خوب آؤ بھگت اور خاطر مدارات کی اور کہا: نحن بخیر و سعة و اثنت علی اللہ (ہم بخیر ہیں، خوشحال ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا کی)۔ بعض دوسری روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا "اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، پانی ہے، دودھ ہے اور گوشت بھی میسر ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔ میں کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں)۔ اس پر حضرت ابراہیم نے میاں بیوی کے لیے دعائے خیر و برکت کی اور فرمایا کہ میاں سے کہنا کہ گھر کی یہ چوکھٹ قائم رکھ (یعنی یہ بیوی تیرے شایانِ شان ہے، اس کو اپنی زوجیت میں رکھ) — ان اہلیۂ ثانیہ کی سعادت مندی اس سے بھی عیاں ہے کہ جب حضرت اسماعیل گھر آئے تو انہوں نے بیان کیا: جاءنا شیخ حسن الهیئة و اثنت علیہ (ہمارے ہاں ایک بڑے اچھے بزرگ تشریف لائے تھے) اور ان کی تعریف و توصیف کی)۔ اس پورے قصے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے چوکھٹ کی تبدیلی کا جو مطالبہ کیا تھا وہ یونہی نہیں تھا۔ بلکہ اس میں حکمتِ ربانی کارفرما تھی اور اس طرح سے اللہ نے ان کے صاحبزادے کو نعم البدل عطا فرمایا۔ کاشانہ نبوت میں ایسی خاتون آکر آباد ہوئیں جو ہر لحاظ سے اس مقام کی اہل تھیں اور جو اہل نہ تھیں وہ رخصت ہو گئیں۔

بہرکیف اس ساری بحث کے بعد اب بھی میرے نزدیک مسئلے کی شرعی صورت یہی ہے کہ والد یا والدہ بیٹے سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کریں اور بیٹے کو یہ اعتماد و یقین حاصل ہو کہ مطالبہ کسی معقول وجہ یا دینی و اخلاقی مصلحت پر مبنی ہے، تو اسے مطالبہ پورا کر دینا چاہیے۔ ورنہ بصورتِ دیگر اس پر تعمیل واجب نہیں۔

(غ-ع)

© rasailojaraid.com